آئیڈیل پرست

سلمیٰ کنول

میں مجرم ہوں

سیڑھیاں تیزی سے اُترتی ہوئی میں کسی سے ٹکرا گئی۔

"اوہ ــــ سو ـــ سوری۔" میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ثمینہ باجی کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ "کیوں بھئی کیا ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو ـــ؟"

"اوہو باجی!" میں ہنس پڑی۔ "کیا کروں آج کالج کا گیٹ دیر میں کھلا اور بھوک کے مارے پیٹ میں چوہے کرکٹ میچ کھیل رہے ہیں۔"

"اچھا ـــ اچھا اب سمجھی ـ بھئی تم اتنے دنوں سے میرے گھر کیوں نہیں آئیں ـــ؟ تم تو کہتی ہو ثمینہ باجی میں آپ کی دوست ہوں ـــ" ثمینہ باجی مصنوعی خفگی سے بولیں تو میں شرمندہ ہو گئی۔ واقعی کئی دنوں سے میں ان کے گھر نہیں گئی تھی۔ "اچھا باجی وعدہ ـــ وعدہ کہ میں آج شام کو ضرور آؤں گی مگر ـــ چلیں چھوڑیں شام کو بات ہو گی۔" میں ثمینہ باجی کو خدا حافظ کہہ کر اپنے فلیٹ میں آ گئی۔

ثمینہ باجی ہمارے اوپر فلیٹ میں ڈیڑھ سال قبل شفٹ ہوئی تھیں وہ ایک مقامی کالج میں لیکچرار تھیں۔ عمر ان کی یہی کوئی تیس تینتیس کے قریب تھی۔ ان کا ایک پیارا سا بیٹا حیدر رضی تھا۔ وہ اکیلی رہتی تھیں لوگ کہتے ہیں۔ ان کے شوہر باہر سروس کرتے ہیں۔ مگر مجھے ثمینہ باجی کے رویہ نے مشکوک سا کر رکھا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ شاید ان کے شوہر سے ان کی لڑائی ہے اور اسی لیے وہ دونوں علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ کئی دفعہ ثمینہ باجی سے میں نے پوچھا مگر وہ ٹال گئیں۔ مگر آج میں نے سوچ لیا کہ اُن سے ضرور یہ راز اگلوا کر دم لوں گی۔

شام کو میں ثمینہ باجی کے فلیٹ میں آ گئی۔ ثمینہ باجی اپنے بیٹے چار سالہ حیدر کے ساتھ کیرم کھیل رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر ثمینہ باجی، خوش ہو گئیں۔

"چائے پیو گی ـــ؟" ثمینہ باجی اُٹھتے ہوئے بولیں۔

"نہیں باجی ابھی دل نہیں چاہ رہا ہے۔"

"اور سناؤ پڑھائی کیسی چل رہی ہے۔" ثمینہ باجی نے پوچھا تو، میں ہنس دی۔ "پڑھائی تو میری ہمیشہ ٹھیک ہی چلتی ہے۔"

"اور بھئی تمہارے منگیتر عامر کا کیا حال ہے۔" ثمینہ باجی نے ـــ

رازدارانہ لہجے میں پوچھا تو میں جھینپ گئی۔

"شہر یار ہی ہو بتادو نا وہ تمہیں کب لے اُڑیں گے کراچی سے اسلام آباد۔" ثمینہ باجی نے مجھے چھیڑا۔

"پہلے آپ بتائیں آپ کے وہ۔ آپ کو کب واپس بلا رہے ہیں۔" میں نے ان پر جوابی وار کیا تو ان کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا

"باجی! بتائیں نا عباس بھائی کیا آپ کو اپنے پاس نہیں بلائیں گے۔"

"وہ۔ وہ اصل میں، گڑیا بات یہ ہے کہ وہاں۔ رہائش کی پرابلم ہے۔"

"جھوٹ۔" میں نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ "بات کچھ اور ہے باجی! آپ مجھے دوست کہتی ہیں تو صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتیں کہ آپ کی عباس بھائی سے لڑائی ہے۔"

"گڑ۔ یا!" ثمینہ باجی نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "تم۔ تم کو کس نے بتایا۔"

"کسی کو بتانے کی کیا ضرورت ہے مجھے خود پتا چل گیا آپ کے رویہ سے اگر آپ کی عباس بھائی سے لڑائی نہ ہوتی کیا اتنے عرصے میں ان کا ایک خط بھی نہ آتا۔"

"گڑیا جو بات میں نے خود سے بھی چھپائی تم کو کیسے پتا چلی کیا تم عباس سے مل چکی ہو۔؟" باجی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"نہیں تو باجی! میں بھلا عباس بھائی سے کیسے مل سکتی ہوں میں نے تو انہیں آج تک دیکھا بھی نہیں ویسے بھی وہ تو باہر ہیں۔" میں حیران ہو گئی۔

"میں تمہیں سب بتادوں گی دوست مگر تم کسی سے ذکر نہ کرنا۔ میری بنی بنائی ساکھ بگڑ جائے گی۔ یہ جو لوگ میری عزت کرتے ہیں نا ______ یہ سب میری عزت کرنا چھوڑ دیں گے"

"باجی! باجی ایسی کیا بات ہے۔" میں پریشان ہو گئی۔

"گڑیا! میری عباس سے علیحدگی کو دو سال ہو گئے ہیں۔ وہ اسی شہر میں رہتے ہیں۔" باجی نے حیرت انگیز انکشاف کیا۔

"مگر۔" میں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ باجی، میری بات کاٹ کر بولیں۔ "تم میری پوری کہانی سن لو۔ سنانے سے پہلے میں اتنا اعتراف ضرور کروں گی کہ اس ناکام زندگی کی ذمہ دار میں خود ہوں۔

میں اپنی چاروں بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔ ہمارا کوئی بھائی نہ تھا۔ میں ایک آئیڈیل پرست لڑکی تھی۔ کالج ہی کے زمانے سے میرا آئیڈیل بہت اُونچا تھا ___ ایک ایسا آدمی میرا آئیڈیل تھا جو خوبرو ہو اور مجھے بہت پیار کرتا ہو۔ میرے تصوراتی ذہن نے ایک خوبصورت سا گھر بھی بنا رکھا تھا۔ جس میں، میں اور میرا۔ پیار کرنے والا آئیڈیل اور میرے چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے بچے پُرسکون زندگی گزارتے تھے۔ میں بہت خوبصورت خواب دیکھا کرتی تھی۔ میں دیکھا کرتی تھی کہ صبح ہی صبح میں اپنے پیار کرنے والے شوہر کو محبت سے جگا رہی ہوں۔ وہ مجھے مسکرا کر دیکھتے ہیں۔ اور میں ان کے لیے اپنے بڑے سے خوبصورت کچن میں ناشتا لگا دیتی ہوں۔ ناشتا کرتے ہوئے ہم دونوں ڈھیر ساری باتیں کرتے ہیں اور پھر وہ دفتر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور مجھے خدا حافظ کہنے لان تک آتی ہوں تو وہ میرے بالوں میں کوئی پھول توڑ کر لگا دیتے ہیں اور کوئی شوخ سا جملہ میری طرف اچھال کر کار میں بیٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ میرے آئیڈیل پرست ذہن نے چار بیٹے بھی تراش رکھے تھے جو بہت خوبصورت تھے۔ کبھی کبھی میں خیالوں ہی خیالوں میں اپنے آئیڈیل شوہر سے لڑا کرتی تھی اور وہ مجھے منانے کی ترکیبیں کرتے تھے۔ مگر ___ مگر میرے خواب اس روز ٹوٹ گئے جب میں ایک دن یونیورسٹی سے گھر واپس آئی۔ تو گھر میں کافی چہل پہل تھی شاید کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔ میں اپنے کمرے میں چلی گئی کیونکہ میں کافی تھکی ہوئی تھی۔ مگر میری چھوٹی بہن عفیفہ، نے آ کر مجھے چپکے سے بتایا کہ کچھ لوگ میرا رشتہ لے کر آئے ہیں میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ پتا نہیں کون لوگ ہیں لڑکا کیسا ہے۔

"کون لوگ ہیں۔؟" میں نے بظاہر لاپروائی سے عفیفہ سے پوچھا۔

"آدم۔ لوگ ہیں۔" عفیفہ شرارت سے مسکرائی "چلیے امی، آپ کو بلا رہی ہیں وہیں ڈرائنگ روم میں۔"

"کیا۔ میں قیامت کے دن بھی نہ جاؤں اس طرح خود کو۔ پسند کروانے۔ امی سے کہہ دو کہ میں ایم۔ ایس۔ سی کر رہی ہوں کوئی جاہل لڑکی نہیں ہوں جو بھیڑ بکری کی طرح اپنی نمائش کرواؤں۔" میں نے غصے سے تیز لہجے میں کہا تو عفیفہ چپکے سے باہر چلی گئی۔ میں نے مزید غصے میں آ کر تکیہ بیڈ پر پٹخا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ مگر نیند میری آنکھوں سے دور تھی۔ دل انجانے خدشوں سے دھڑک رہا تھا جانے وہ کون ہے۔؟ کیا کرتا ہے۔؟ اور اس کے گھر والے کیسے ہیں۔ ابھی میں سونے کی کوشش کر رہی تھی کہ، عفیفہ کے ساتھ تین لڑکیاں اندر آ گئیں میں اُچھل کر بیٹھ گئی شاید وہ میری متوقع نندیں تھیں۔

"اوہ ڈیر بھابی! آپ تو بہت سویٹ ہیں۔" ان میں سے ایک لڑکی نے میرے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ثمینہ باجی یہ عباس بھائی کی بہنیں ہیں۔" عفیفہ نے تعارف کرایا۔

"اوہ تو ان کا نام عباس ہے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ وہ تینوں میرے پاس کافی دیر بیٹھ کر باتیں کرتی رہیں۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ یہ لوگ ہمارے بہت دور کے رشتہ دار ہیں۔ عباس نے ایم۔ ایس۔ سی کیا تھا اور اب اُس نے اپنا ایک میڈیکل اسٹور کھول رکھا تھا یہ سن کر میرے ذہن کو ایک دھچکا سا لگا کہ میرا شوہر اور میڈیکل اسٹور میرے ذہن میں تو کوئی بڑا افسر تھا یا کوئی فوجی بندہ جیسا کہ میں افسانوں میں پڑھتی آئی تھی۔ میرے ذہن کو ایک اور شدید دھچکا اس وقت لگا۔ جب مجھے پتا چلا کہ وہ لوگ لانڈھی جیسے پسماندہ علاقے میں رہتے ہیں۔ میرے خیالوں میں تو کسی خوبصورت علاقے میں خوبصورت سا گھر تھا میں نے امی سے صاف انکار کر دیا کہ میں وہاں شادی نہیں کر سکتی۔ مگر امی نے میری ایک نہ سنی اور کہنے لگیں کہ عباس بہت شریف لڑکا ہے اس لیے انکار کرنے کی کوئی معقول وجہ بیان کرو۔ مگر میں امی کو یہ تو بتا نہیں سکتی تھی کہ عباس میرے خوابوں کا شہزادہ نہیں ___

میں نے امی سے بہت کہا کہ میں ابھی اور پڑھنا چاہتی ہوں مگر امی نے کہا تمہاری چھوٹی بہنیں تم سے بھی بڑی لگنے لگی ہیں یہ موقع ہے کہ رشتے آتے ہیں آئندہ برس تم بائیس سال کی ہو جاؤ گی۔ کچھ اپنا نہیں تو اپنی بہنوں کا خیال کرو۔ یوں میں اس دلیل کے آگے بے بس ہو گئی اور مجبوراً میں نے ہاں کر دی۔ یوں میری منگنی عباس کے ساتھ ہو گئی میں نے عباس کو پہلی بار منگنی کی تقریب میں دیکھا وہ ایک لمبا چوڑا ہینڈسم آدمی تھا۔

منگنی کے بعد میں نے سوچ لیا تھا کہ میں عباس کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کروں گی۔ میں نے ایم۔ ایس۔ سی اچھے نمبروں سے پاس کر لیا اسی لیے مجھے لیکچرر شپ کی آفر ہوئی جسے میں نے قبول کر لیا مگر انہی دنوں میری شادی ہو گئی۔ مجھے اپنا سسرال قطعی پسند نہیں آیا میرے سسر تو فوت ہو گئے تھے اس لیے گھر میں میری ساس کی حکمرانی تھی۔ اس گھر میں صرف چار کمرے تھے۔ ایک کمرہ ہم دونوں کا تھا۔ ایک میری ساس کا ایک کمرے کو میں نے ___ ڈرائنگ روم بنا لیا تھا جبکہ ایک اور کمرے میں میری نندیں رہتی تھیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ میں حالات سے کچھ سمجھوتہ کر لوں مگر میرے اندر کی آئیڈیل پرست لڑکی ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔ میں نے مقامی کالج میں اپنی لیکچرر شپ جاری رکھی۔

گو عباس بہت اچھے آدمی تھے مگر وہ میرے آئیڈیل نہ تھے مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ مجھے بہت چاہتے تھے مگر مجھے ایک

بات ناگوار گزرتی تھی کہ وہ شام کو آتے تھے۔ اور چائے پی کر فوراً ہی دوبارہ میڈیکل اسٹور چلے جاتے تھے رات کو دس گیارہ بجے آتے اور سیدھے اپنی امی کے پاس چلے جاتے تھے ان سے باتیں کرنے کے بعد وہ رات کو میرے پاس آتے تھے میرے ذہن میں ایک ایسے آئیڈیل شوہر کا خاکہ تھا جو شام کے بعد گھر لوٹے تو میں اس سے سخت ناراض ہو جاؤں اور وہ مجھے منائے منتیں کرے مگر عباس تو بغیر کچھ کہے بستر پہ آ کر دراز ہو جاتے اور میں کڑھتی رہ جاتی۔ گو کہ شادی سے پہلے میں نے سوچ رکھا تھا کہ میں شادی کے بعد کسی قسم کا کوئی جاب نہیں کروں گی۔ اور سارا وقت گھر کو سنوارنے سجانے میں صرف کر دوں گی۔ دوپہر کے کھانے میں اپنے شوہر کا انتظار کیا کروں گی مگر اب یہ سب ناممکن تھا میں باقاعدگی سے کالج جا رہی تھی میں۔ چاہتی تھی کہ ہماری مالی حالت اتنی مستحکم ہو جائے کہ ہم اس علاقے سے کسی دوسرے علاقے میں شفٹ کر جائیں۔

دن یونہی گزرتے رہے۔ شادی کے تین سال بعد ہمارے ہاں اللہ میاں نے بیٹے کی شکل میں حیدر کو بھیج دیا۔ میں بہت خوش تھی۔ مجھے اور عباس کو حیدر بہت اچھا لگتا تھا۔ مگر اب مشکل یہ تھی کہ مجھے اب کافی پریشانی حیدر کی وجہ سے ہوتی تھی۔ میں کیمسٹری کی لیکچرر ہوں۔ اس لیے لڑکیوں کو پریکٹیکل وغیرہ کرانے کے بعد تین ساڑھے تین بجے گھر آتی تھی۔ اس دوران حیدر کو امی سنبھالے رکھتی تھیں کیونکہ میری تینوں نندیں تو کالج جاتی تھیں۔ مگر کچھ عرصے سے میری ساس کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی اس لیے حیدر کی وجہ سے میں کافی پریشان تھی ایک دن میں کالج سے گھر واپس آئی تو عباس منہ پھلائے بیٹھے تھے۔ میں کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے کمرے میں آئی تو عباس بھی میرے پیچھے پیچھے چلے آئے۔

"ثمینہ! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" عباس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی کہیے۔؟"

"ثمینہ! تم نوکری چھوڑ دو۔"

"کیوں۔؟" میں حیرت زدہ رہ گئی۔ "آخر کیا برائی ہے اس جاب میں۔"

"برائی کوئی نہیں مگر تم دیکھ رہی ہو کہ حیدر کو صرف تم ہی سنبھال سکتی ہو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے عباس! مگر آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ میں اگر نوکری چھوڑ دوں تو گھر کیسے چلے گا۔"

"گھر کیسے چلے گا۔؟ کیا میں تم لوگوں کو بھوکا مار رہا ہوں۔" عباس غصے سے بولے۔

"میرا یہ مطلب نہیں بلکہ میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ ہم دونوں مل کر اپنی معاشی حیثیت مستحکم بنا سکتے ہیں۔"

"معاشی حالت۔ اونہہ معاشی حالت کو کیا ہوا ہے کیا میں، معاشی حالت کو مستحکم بنانے کے لیے کافی نہیں تم ماں ہو۔ ماں بن کر سوچو کہ حیدر کو تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ پڑھے لکھے ہو کر آپ اس حقیقت کو جھٹلا رہے ہیں کہ عورت بھی گھر کو چلانے میں برابر کا درجہ رکھتی ہے۔"

"بالکل رکھتی ہے مگر ماں بن کر اور بیوی بن کر گھر پر توجہ دے کر تم پڑھی لکھی ہو کر اس حقیقت سے انکاری ہو کہ بچے کے لیے ماں کی توجہ ضروری ہے۔" عباس اب کے نرمی سے بولے۔

"میں یہ مانتی ہوں عباس مگر میرے بھی کچھ خواب ہیں میں ایک خوبصورت سا گھر چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم اس علاقے سے کہیں دوسرے علاقے میں منتقل ہو جائیں۔ اور یہ تب ممکن ہے کہ جب ہم دونوں جاب کریں۔"

"کیوں کیا برائی ہے اس علاقے میں۔؟" عباس تیوری چڑھا کر بولے۔

"برائی یہ ہے کہ یہ پسماندہ علاقہ ہے۔" میں نے آرام سے کہا۔

"یہ علاقہ جتنا پسماندہ ہے۔ تمہارا ذہن اس سے زیادہ پسماندہ ہے۔ ثمینہ دوسرے علاقے کے خواب دیکھنا بند کر دو یہ ممکن نہیں، اوّل تو دوسرے علاقوں میں گھر اتنے مہنگے ملیں گے کہ میری استطاعت سے باہر ہے۔" عباس کو غصہ آ گیا تھا۔

"ذہن میرا پسماندہ نہیں ہے عباس۔" میں چیخ کر بولی۔ "آپ میں تو ترقی کرنے کی لگن ہی نہیں ہے میں نہیں چاہتی کہ میرا بیٹا اتنے پسماندہ علاقے میں پلے بڑھے۔"

"تم یہ بھول رہی ہو ثمینہ کہ تمہارے بیٹے کا باپ بھی اسی علاقے میں پلا بڑھا ہے۔"

"تو کیا ضروری ہے کہ حیدر بھی یہاں پلے اور بڑھے۔" میں نے ہٹیلے انداز میں کہا۔

"بس زیادہ بحث مت کرو مجھ سے اور نوکری چھوڑ دو۔ حیدر پر توجہ دو۔"

عباس نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو میں بھڑک اٹھی۔ "نہیں چھوڑوں گی میں نوکری۔ آپ کون ہوتے ہیں مجھے نوکری سے منع کرنے والے۔"

"میں۔ میں۔" عباس غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولے۔ "میں تمہارا شوہر ہوتا ہوں ثمینہ بیگم اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ کل سے تم کالج نہیں جاؤ گی۔" یہ کہہ کر عباس کمرے سے باہر نکل گئے۔

"اف۔" غصے کے مارے میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ مجھے کبھی بھی کسی نے اتنا نہ ڈانٹا تھا۔ اس لیے کہ میں گھر میں سب سے بڑی تھی۔ میں نے غصے کی وجہ سے کھانا بھی نہیں کھایا اور منہ لپیٹ کر سو گئی۔ شام کو آنکھ کھلی تو سر درد کے مارے پھٹا جا رہا تھا۔

رات کو عباس آئے تو بدستور ان کا موڈ خراب تھا میرا موڈ بھی ان کو غصے میں دیکھ کر مزید بگڑ گیا۔ ناراض ہوتے ہوں تو ہوں میں نے کون سی غلط بات کہی ہے۔

دوسرے دن میں کالج جانے کے لیے تیار ہونے لگی تو عباس نے مجھے کڑی نظروں سے گھورا اور کہنے لگے۔ "کل جو میں نے بات کہی تھی کیا وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔" میں نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور پرس کندھے پر لٹکا کر جانے لگی تو عباس نے تیز آواز میں کہا۔

"ثمینہ۔!"

میرے بڑھتے قدم رک گئے۔ خوف سے میرا دل دھڑکنے لگا پھر ایکدم میرے دماغ نے پلٹا کھایا اور میں نے باہر جانے کے لیے قدم بڑھا دیے تو عباس پوری قوت سے چلائے۔

"ثمینہ۔!"

میں نے مڑ کر انہیں دیکھا اور بے زاری سے بیڈ پر بیٹھنا۔ "کیا چاہ رہے ہیں آپ؟" میں نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

"یہ کہ نہیں کہہ رہا ہوں میں تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ تم کالج نہیں جاؤ گی گھر میں رہو حیدر کو سنبھالو۔"

"کیوں کیا میری کوئی مرضی نہیں۔؟" میں ہٹ دھرمی پر اتر آئی۔

"کیا مرضی ہے تمہاری۔" عباس طنزیہ لہجے میں بولے۔

"مرضی یہ ہے کہ میں کالج جاؤں گی۔ حیدر کے لیے آیا رکھ لیں گے۔"

"کیا حیدر کے لیے آیا۔" عباس غصے میں کھڑے ہو گئے۔ "میں اپنے بیٹے کے لیے کبھی بھی آیا رکھنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"کیوں کیا حیدر میرا بیٹا نہیں ہے۔" میں غصے میں چیخی۔

"ہے تمہارا بیٹا بھی مگر تم اسے بیٹا سمجھو تب۔" عباس میرے سامنے آ کر طنزیہ لہجے میں بولے۔

"میں کالج جاؤں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔" میں نے تیز لہجے میں کہا اب میرے اندر وہ ضدی لڑکی بول اٹھی تھی جو کہ شادی سے پہلے تھی۔

"تم کالج نہیں جاؤ گی۔" عباس نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے سختی سے کہا۔

"جاؤں گی۔ اور ضرور جاؤں گی۔"

"ثمینہ۔۔۔!" عباس نے مجھے گھورا۔

میں نے جانے کیسے ہاتھ بڑھا کر پرس اُٹھایا مگر اسی لمحے، عباس نے میرے منہ پر زوردار طمانچہ جڑ دیا۔ تکلیف کی شدت سے میں کراہ اٹھی میں نے نظر اُٹھا کر عباس کو دیکھا وہ تاسف سے اپنا ہاتھ مل رہے تھے اور پھر وہ بغیر کچھ کہے باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے اپنے چند جوڑے کپڑے اٹیچی کیس میں ڈالے اور حیدر کو لے کر اپنی امی کے گھر آ گئی۔

گھر والے اس طرح مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ جب میں نے انہیں پوری بات بتائی تو ابو نے کہا۔

"ثمینہ بیٹے! تم پڑھی لکھی ہو اور اسی لیے مجھے یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں کہ عورت کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے یہ جانتے ہوئے بھی تم بلاوجہ کی ضد پر اڑ گئی ہو۔ عباس ٹھیک کہتا ہے کہ تمہیں اب گھر پر توجہ دینی چاہیے دیکھو تمہارا بیٹا اب پانچ سال کا ہو گیا ہے اور تمہاری ساس کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے۔ میں عباس کو سمجھاؤں گا وہ تمہیں لینے آئے گا تو چلی جانا بیٹے۔" ابو یہ کہہ کر چلے گئے۔

امی مجھے سمجھانے لگیں تو میں بھڑک اُٹھی۔

"آپ کیسی ماں ہیں میری دلجوئی کرنے کے بجائے آپ عباس کی طرفداری کر رہی ہیں آپ کو پتا ہے انہوں نے مجھے تھپڑ بھی مارا ہے۔" میں یہ کہہ کر رونے لگی تو۔

امی میری پیٹھ سہلاتے ہوئے بولیں "دیکھو بیٹا! غلطی تمہاری ہے آخر کیا برائی ہے عباس میں اچھا خاصا کماتا ہے تم نوکری چھوڑ دو۔"

"میں نہیں چھوڑوں گی نوکری، میری بھی کوئی انا ہے آخر۔ عباس میری بات کیوں نہیں مان لیتے۔"

"تم بلاوجہ ضد کر رہی ہو ثمینہ۔" امی نے مجھے گھر کا تو میں رونے لگی۔ "یہ سب آپ لوگوں کا قصور ہے کہ آپ نے میری شادی ایسی جگہ کر دی۔"

"کیا تمہارے لیے آسمان سے کوئی شہزادہ اتر کر آتا۔ تم ابھی تک اپنے آئیڈیل سے باہر نہیں نکلی ہو۔ سراب میں مت رہو۔ حقیقت کی دنیا میں آؤ۔ تم پُرآسائش زندگی کی تمنا کرتی ہو تو یہ بھی ہو جائے گا مگر آہستہ آہستہ۔"

"خاک ہو جائے گا۔" میں نے غصے میں کہا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

دوسرے دن عباس مجھے لینے چلے آئے مگر ان کا لہجہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

"گھر چلو ثمینہ۔" عباس نے کہا۔

"کون سے گھر۔۔۔ وہ گھر جہاں میں آپ کی ڈانٹ سنتی ہوں جہاں میری کوئی اہمیت ہی نہیں۔"

"دیکھو ثمینہ۔ غلطی سے میں نے تمہیں تھپڑ مار دیا تھا یقین کرو مجھے بہت افسوس ہے۔ اس بات کا چلو اب گھر چلو۔" عباس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

مگر میں نے ان کے ہاتھ جھٹکے سے اپنے کندھے سے ہٹا دیے۔

"ہاتھ مت لگائیں مجھے۔ میں اُس گھر میں اب نہیں جاؤں گی یا تو آپ کسی دوسرے علاقے میں گھر لیں یا پھر مجھے جاب کرنے کی اجازت دیں۔"

"نہ ہی میں دوسرے علاقے میں گھر لے سکتا ہوں اور نہ ہی تمہیں جاب کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔" عباس نے نرمی سے سمجھایا۔

"تو پھر آپ تشریف لے جائیے۔" میں نے ہٹیلے لہجے میں کہا اور دوسری طرف منہ کر لیا۔ عباس چلے گئے۔

گھر والوں نے مجھے بہت سمجھایا مگر میں نہ مانی عباس دو چار دفعہ مجھ سے ملنے آئے مگر میں نے انکار کر دیا گھر والے میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے اس لیے میں ڈیڑھ سال پہلے یہاں "گلشن" میں آ کر شفٹ ہو گئی۔ عباس نے مجھے بذریعہ ڈاک علیحدگی کے کاغذات بھجوا دیے اس دعا کے ساتھ کہ جہاں رہو خوش رہو۔ اور اب میں اور میرا بیٹا حیدر اکیلے رہتے ہیں۔ یہ دیکھو گڑیا یہ عباس کی تصویر ہے۔"

ثمینہ باجی نے مجھے تکیے کے نیچے سے ایک تصویر نکال کر دی۔

"دیکھو حیدر کی آنکھیں بالکل عباس کی طرح ہیں۔۔۔ ہیں نا۔۔۔؟"

ثمینہ باجی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑیں۔

"باجی! آپ نے اپنی غلطی سے عباس بھائی کو کھو دیا مگر آپ انہیں اب تک بھولی نہیں۔۔۔؟"

"نہیں گڑیا۔۔۔ عباس میری زندگی میں داخل ہونے والا پہلا مرد تھا۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ مجھے ان سے محبت ہو گئی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنا گھر اجاڑ لیا۔ اور اسی لیے لوگوں سے کہہ رکھا ہے کہ عباس باہر سروس کرتے ہیں۔ میں تو سوچتی ہوں کہ جب حیدر بڑا ہو گا اور اپنے ابو کے بارے میں سوال کرے گا تو میں اسے کیا جواب دوں گی۔"

"باجی آپ دوسری شادی کر لیں۔" میں نے انہیں تصویر واپس کرتے ہوئے کہا۔

باجی تڑپ کر بولیں۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو گڑیا۔۔۔ یہ ناممکن ہے عباس کی جگہ اب کوئی اور نہیں لے سکتا۔"

باجی کی آنکھوں سے آنسو نکلنے کو بے تاب ہو گئے تو میں ان سے اجازت لے کر واپس چلی آئی۔ بچاری ثمینہ باجی اب اپنی غلطی پر کتنی پشیمان ہیں مگر اب کیا ہو سکتا ہے گیا وقت پھر کبھی لوٹ کر تو نہیں آتا نا۔۔۔؟

*